موجودہ دور میں رجوع الی القرآن کی دعوت

انحرافات اور ان کا تدارک

محمد رضی الاسلام ندوی ☆

قرآن کریم اور سیرتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتسلیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر اقوام کے درمیان اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اُمتِ مسلمہ کی اصلاح و تزکیہ' دونوں کام صحیح طریقے سے قرآن کو بنیاد بنا کر ہی کیے جاسکتے ہیں۔ قرآنی تعلیمات میں انسانیت کی تمام مشکلات کا حل موجود ہے۔ ان میں وہ نور ہے جس کے ذریعے ظلمتوں میں بھٹکتی دنیا سیدھی راہ پاسکتی ہے اور وہ نسخۂ کیمیا ہے جس کے ذریعے اسے اپنے تمام مصائب و آلام سے چھٹکارا حاصل ہوسکتا ہے۔ اسی طرح قرآنی تعلیمات میں اہلِ ایمان کے لیے بھی ہدایت' رحمت' بشارت' نجات اور فوز و فلاح کے اسباب پوشیدہ ہیں۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں یہ مضامین مذکور ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾﴾ (المائدۃ)

''تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آ گئی ہے اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں' سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے اُن کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے اور راہِ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔''

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾﴾ (یونس)

''لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کرلیں ان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔''

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾﴾ (النحل)

''ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کر دینے والی ہے اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔''

☆ معاون مدیر سہ ماہی ''تحقیقاتِ اسلامی'' علی گڑھ (انڈیا) mrnadvi@yahoo.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝٢٠﴾ (الجاثیۃ)

''یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں سب لوگوں کے لیے اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو یقین لائیں۔''

اُمت کی بھلائی قرآن کی طرف رجوع ہونے میں ہے

اُمتِ مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ شاہد ہے کہ جب اس نے قرآن کریم کو اپنا ہادی و رہنما بنایا' اسے سینے سے لگائے رکھا' اس سے روشنی حاصل کرتی رہی' اس کے احکام و فرامین کو اپنی زندگی میں نافذ کیا اور ان پر عمل پیرا رہی' اس وقت تک اقوامِ عالم کی امامت و قیادت کی زمام اس کے ہاتھ میں رہی' دوسروں نے اس کی سیادت تسلیم کی' کامیابی و کامرانی نے اس کے قدم چومے اور اس کی عظمت و رفعت مسلّم رہی' لیکن جب اس کا رشتہ کتاب اللہ سے کمزور ہوا' اس نے اسے پس پشت ڈال دیا اور قرآنی تعلیمات کی جگہ نفسانی خواہشات' ذاتی مفادات اور رسم و رواج نے لے لی تو اس کی ہوا اُکھڑ گئی' اس کا شیرازہ منتشر ہو گیا' اس کا رعب و دبدبہ اور سطوت و ہیبت کافور ہو گئی' دوسری قومیں اس پر شیر ہو گئیں اور اس طرح ٹوٹ پڑیں جس طرح بھوکے کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ذلّت و نکبت اور پسماندگی و شکست خوردگی اس کا مقدر بن گئی۔ اُمتِ مسلمہ کے عروج و زوال کی اس تاریخ پر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان صادق آتا ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ)) (۱)

''اللہ اس کتاب کی وجہ سے کچھ قوموں کو بلندی عطا کرتا ہے اور کچھ قوموں کو پستی میں دھکیل دیتا ہے۔''

اسی مفہوم کو شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے اس شعر میں ادا کیا ہے: ؎

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

اس لیے ہر زمانے کی طرح آج بھی اُمت کی بھلائی اسی بات میں ہے کہ وہ قرآن کریم کی طرف رجوع کرے' اس سے اپنا تعلق مضبوط کرے اور اس کے چشمۂ صافی سے سیرابی حاصل کرے۔ اُمت کی اصلاح و فلاح آخری زمانے میں بھی اُسی ذریعے سے ممکن ہے جس ذریعے سے ابتدائی زمانے میں ہوئی تھی۔

مصلحینِ اُمت کی دعوت و تحریک کا محور و مرکز

قرآن کریم کی اسی اہمیت کی بنا پر ہر دور کے مصلحین و مجددین نے اپنی دعوت و تحریک کا محور و مرکز قرآن کریم کو بنایا ہے۔ انہوں نے لوگوں کے دلوں میں قرآن کی عظمت کا سکّہ بٹھانے کی کوشش کی' انہیں شرک و بدعات' باطل افکار و نظریات اور غلط رسوم و رواج سے بچانے اور کتاب اللہ سے ان کا رابطہ جوڑنے کی مہم چلائی۔ انہوں نے اپنے مواعظ و خطبات' دروسِ قرآن اور تصانیف کے ذریعے بھرپور اور منصوبہ بند جدّوجہد کی تاکہ لوگوں کا قرآن سے تعلق مضبوط ہو' وہ اسے پڑھیں' سمجھیں' اس میں غور و تدبر کریں' اپنے معاملات میں اس سے رہنمائی حاصل کریں' اپنے مسائل و مشکلات کو اس کی روشنی میں حل کریں اور اسے اپنی زندگیوں میں جاری و ساری کریں۔ یہاں بطورِ مثال' نہ کہ بطورِ حصر' دو شخصیات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ/۱۳۲۸ء) آٹھویں صدی ہجری/ چودھویں صدی عیسوی کے عظیم متکلمِ اسلام گزرے ہیں۔ ان کے زمانے میں مسلمانوں کے درمیان جہاں ایک طرف مشرکانہ عقائد و رسوم مقابر پرستی اور بدعات و خرافات عام تھیں' وہیں دوسری طرف یونانی فلسفہ کا بہت زور تھا اور دینی ثوابت و مسلّمات کو اس کی روشنی میں سمجھا جا رہا تھا۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے باطل افکار و نظریات اور غیر اسلامی ملل و فرق کا زبردست رد کیا اور کتاب و سنت کی روشنی میں فکرِ اسلامی کو نکھار کر پیش کیا۔ ان کی فکر میں قرآن کریم کو مرکزی مقام حاصل تھا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ان کی شخصیت کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''امام ابن تیمیہؒ نے تفسیر کو اپنے فکر و تصنیف کا خاص موضوع بنایا۔ یہ ذوق ان پر اس قدر غالب تھا کہ ان کی کوئی تصنیف مشکل سے ایسی ہوگی جس میں قرآن مجید کی تفسیر کا مواد نہ ملے اور آیات سے استدلال اور ان کی شرح و تفسیر نہ ہو۔ ان کے سامنے جب کوئی آیت آتی ہے تو اس کی تفسیر کیے بغیر ان سے آگے بڑھا نہیں جاتا...... تفسیر سے ان کا تعلق' اس میں ان کا اشتغال و انہماک ان کی زندگی میں بھی معروف تھا' یہ ان کا ایسا امتیازی نشان سمجھا جاتا ہے کہ ان کے جنازہ کی نماز کا اعلان بھی اسی عنوان سے ہوا: **الصلاۃ علی ترجمان القرآن**۔''(۲)

دوسری قابلِ ذکر شخصیت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء) کی ہے۔ ان کے عہد میں بھی بدعات و منکرات کا بڑا زور تھا' لوگ مشرکانہ رسوم و عادات کے اسیر تھے۔ طبقۂ علماء کو بھی فقہی تعصبات نے جکڑ رکھا تھا۔ شاہ ولی اللہؒ نے قرآن کریم کے مطالعہ و فہم اور غور و تدبر کو ان امراض کا سب سے مؤثر علاج سمجھا۔ ان کی تجدیدی خدمات کے اس پہلو پر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے یوں روشنی ڈالی ہے:

''شاہ صاحبؒ نے سفرِ حجاز سے واپسی کے پانچ سال بعد...... یہ فیصلہ کیا کہ ہدایتِ عام' اصلاحِ عقائد اور اللہ تعالیٰ سے طاقتور رابطہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کی ہدایت و تعلیمات کی براہِ راست اشاعت و تبلیغ سے زیادہ مؤثر نہیں ہو سکتا اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ اور اس کی اشاعت......شاہ صاحبؒ نے ترجمہ اور تفسیر فتح الرحمٰن کے علاوہ اصولِ ترجمہ پر ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود بڑا بصیرت افروز اور عالمانہ ہے...... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ اور قرآن مجید کی تبلیغِ عام کے راستے میں جو چٹان حائل ہو گئی تھی' شاہ صاحبؒ جیسی عظیم المرتبت ہستی کے اقدام سے یہ چٹان ہٹ گئی اور راستہ صاف ہو گیا۔ پھر شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کے پچاس برس بعد ۱۲۰۵ھ میں ان کے فرزندِ ارجمند حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ (م ۱۲۳۰ھ) نے قرآن کا ایسا ترجمہ کیا جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا کسی غیر عربی زبان میں ایسا کامیاب اور شگفتہ ترجمہ' جس میں زیادہ سے زیادہ قرآنی الفاظ کی روح آ گئی ہو' ابھی تک علم میں نہیں...... ان کے بعد انہی کے برادرِ بزرگ شاہ رفیع الدینؒ (م ۱۲۳۳ھ) نے قرآن مجید کا تحت اللفظ ترجمہ کیا' جو اپنی احتیاطوں اور مصنف کے علمی تبحر و اخلاص کی وجہ سے بہت مقبول ہوا...... یہ دونوں ترجمے مسلمانوں کے گھروں میں ایسے عام ہوئے اور قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ان کے پڑھنے کا ایسا رواج ہوا جس کی مثال کسی دوسری دینی کتاب کے بارے میں نہیں مل سکتی۔ جہاں تک اصلاحِ عقائد اور عقیدۂ توحید کی اشاعت کا تعلق ہے' ان دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجموں سے فائدہ اٹھانے والوں کی کوئی تعداد نہیں بیان کی جاسکتی کہ وہ لاکھوں سے متجاوز ہوگی۔ حقیقت میں کوئی اسلامی حکومت بھی اپنے وسائل کے ساتھ دعوت و اصلاح کا اتنا بڑا کام انجام نہیں دے سکتی تھی جو ان تینوں ترجموں نے انجام دیا جو ایک ہی شجرۂ طوبیٰ کی شاخیں ہیں...... دعوت الی القرآن اور خواص و اہل علم کے حلقہ میں تدبر قرآن کی صلاحیت پیدا کرنے اور اس کے ذریعہ سے اُمت کی اصلاح کا جذبہ بیدار کرنے کے سلسلہ میں شاہ صاحبؒ کی ایک تجدیدی و انقلابی خدمت اور کارنامہ الفوز الکبیر کی تصنیف ہے جو اپنے موضوع پر (ہمارے علم میں پورے اسلامی کتب خانہ میں) منفرد کتاب ہے۔''(۳)

مجددین و مصلحینِ اُمت کی فہرست میں سے یہ دو نام محض بطور مثال پیش کیے گئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہر دور میں مصلحین نے اُمتِ مسلمہ کا تعلق کتاب اللہ سے مضبوط کرنے کی کوشش کی ہے اور رجوع الی القرآن کو اپنی دعوت کا محور بنایا ہے۔

فرقِ ضالہ اور قرآنِ کریم

اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے اور تاریخِ اسلامی اس پر گواہی دیتی ہے کہ گمراہ فرقوں' تحریکوں اور افراد نے بھی اپنی گمراہیوں کے لیے قرآن سے دلیل حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ معتدل اسلامی فکر کو اختیار کرنے کے بجائے وہ افراط و تفریط کا شکار ہوئے' ان کے افکار و خیالات میں غلو در آیا' انہوں نے اپنے منحرف نظریات و دعاوی کو مبنی برحق ثابت کرنے کے لیے آیاتِ قرآنی کی دُور از کار تاویلات کیں اور انہیں بطور دلیل پیش کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان برحق ثابت ہوا:

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾﴾ (البقرة)

''اللہ اس کے ذریعے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہتوں کو راہِ راست دکھا دیتا ہے' اور اس سے گمراہی میں وہ انہی کو مبتلا کرتا ہے جو فاسق ہیں۔''

صدرِ اوّل کی اسلامی تاریخ میں ایسے متعدد فرقوں کا نام ملتا ہے جن کا ظہور اگرچہ سیاسی اسباب سے ہوا لیکن بہت جلد ان میں دینی رنگ آ گیا۔ مثلاً خوارج' شیعہ' معتزلہ۔ پھر ان فرقوں کے اصحابِ فکر اور اکابر میں معمولی معمولی باتوں میں اختلاف ہوا اور ہر فرقہ کے تحت بہت سے ذیلی فرقے وجود میں آئے۔(۴)

ان فرقوں نے بھی قرآن کو اپنا ہادی و رہنما بنانے کا دعویٰ کیا' لیکن عملاً انہوں نے اسے اپنی اہواء و آراء کے تابع بنا دیا۔ تاریخِ تفسیر پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی تفسیریں ان فرقوں کے اصحابِ علم نے لکھی ہیں۔ اعتزالی فکر کی حامل تفاسیر میں قاضی عبدالجبار (م۴۱۵ھ/ ۱۰۲۵ء) کی تفسیر 'تنزیہ القرآن عن المطاعن' اور زمخشری (م۵۳۸ھ/۱۱۴۴ء) کی تفسیر 'الکشاف عن حقائق التنزیل' شہرت رکھتی ہیں۔ اسی طرح شیعی تفاسیر میں عبداللطیف گازرونی کی 'مرآۃ الانوار و مشکاۃ الاسوار' حسن عسکری (م۲۶۰ھ/ ۸۷۳ء) کی تفسیر' فضل بن حسن طبرسی (م۵۳۸ھ/۱۱۴۴ء) کی تفسیر 'مجمع البیان لعلوم القرآن' ملاحسن کاشی (م بعد ۱۰۶۷ھ/ ۱۰۷۵ء) کی تفسیر 'الصافی فی تفسیر القرآن الکریم' کو شہرت حاصل ہوئی۔ ذخیرۂ تفسیر میں صوفیہ کی بھی متعدد تفاسیر ہیں' جن میں سہل بن عبداللہ تستری (م۲۸۳ھ/ ۸۹۶ء) کی 'تفسیر القرآن' محمد

بن حسین سُلمی اَزدی (م۴۱۲ھ/ ۱۰۲۱ء) کی 'حقائق التفسیر' اور ابو محمد شیرازی (م۶۰۶ھ/ ۱۲۰۹ء) کی 'عرائس البیان فی حقائق القرآن' قابل ذکر ہیں۔ صوفیہ کے اندازِ تفسیر سے ایک نئے منہج تفسیر کا اضافہ ہوا جسے 'تفسیر اشاری' کہا جاتا ہے۔ ان تفاسیر میں ان کے لکھنے والوں نے آیاتِ قرآنی کی اس انداز سے تفسیر وتاویل کی کہ ان سے ان کے عقائد ونظریات کا تصادم نہ ہو' بلکہ تائید وموافقت کا پہلو نکل آئے۔(۵)

بعد کے زمانوں میں بھی متعدد فرقے ایسے وجود میں آئے جنہوں نے قرآن سے اپنے تعلق کا اظہار کیا' اپنے افکار ونظریات کے اثبات کے لیے قرآن کے حوالے دیے' لیکن حقیقت میں وہ قرآنی تائیدات نہ تھیں' بلکہ ان کے منحرف معتقدات کے لیے آیاتِ قرآنی کی بے جا تاویلات تھیں۔ یہاں بطورِ مثال دو فرقوں کا تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

(ا) ماضی بعید کی مثال: خوارج

خوارج کا ظہور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوجوں کے درمیان معرکۂ صفین (۳۷ھ/ ۶۵۷ء) کے بعد واقعۂ تحکیم کے موقع پر ہوا۔ اس معرکہ میں ان لوگوں نے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا تھا' لیکن معرکہ کے بعد جب دونوں فریق اس بات پر متفق ہوگئے کہ ہر ایک اپنے ایک نمائندہ کو حَکَم بنائے اور دونوں مل کر جو فیصلہ کریں اسے دونوں فریق تسلیم کرلیں' تو ان لوگوں نے حضرت علیؓ سے علیحدگی اختیار کرلی۔ اسی بنا پر وہ خوارج (یعنی علیحدگی اختیار کرنے والے) کہلائے۔ ان کا استدلال قرآنی آیت ﴿اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط﴾ (الانعام: ۵۷' یوسف: ۴۰) سے تھا۔ یعنی حَکَم بننا صرف اللہ تعالیٰ کا منصب ہے۔

یہ لوگ بڑے متقی و پرہیز گار' انتہائی عبادت گزار اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے' قرآن سے ان کا گہرا تعلق تھا' مگر ان کی گمراہی ان کے غلو آمیز نظریات میں تھی۔ ان کے تقویٰ وصالحیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ گناہ کبیرہ' بلکہ بسا اوقات گناہ صغیرہ کے مرتکب کو بھی کافر قرار دیتے تھے' اس لیے خود بھی کبائر وصغائر سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کرتے تھے۔ عصرِ حاضر کے ایک مؤرخ عمر ابو النصر نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

''خوارج کی ایک شانِ امتیاز یہ تھی کہ انہوں نے قرآن کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا اور اس کے احکام پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ اس معاملے میں انہوں نے بہت زیادہ غلو سے کام لیا اور قرآنی آیات کی بے جا تاویلات کیں۔ انہوں نے گناہِ کبیرہ بلکہ گناہِ صغیرہ کے مرتکب کو منافق اور کافر قرار دیا۔'' (۶)

جرمن مستشرق ولہوزن نے ان کا یہ وصف بیان کیا ہے:

''یہ لوگ انتہائی متقی و پرہیزگار تھے' قرآن کی تلاوت کرتے تھے' نہ صرف زبان سے' بلکہ اپنی عبادتوں میں اس کا ورد کرتے رہتے تھے اور رات دن اس میں غور وفکر میں مشغول رہتے تھے' عبادت گزاری اور شب بیداری ان کا نمایاں وصف تھا' کثرتِ سجود سے ان کی پیشانیاں گھس گئی تھیں' وہ امورِ دین میں برابر غور وفکر کرتے رہتے تھے اور اس کے احکام میں مہارت کے ساتھ بحث ومباحثہ کرتے تھے۔'' (۷)

خود ایک خارجی ابوحمزہ نے اپنے اصحاب کا تعارف بہت اچھے الفاظ میں یوں کرایا ہے:

''اللہ نے انہیں رات کی تنہائی میں دیکھا تو پایا کہ ان کی پیٹھ قرآن کے اجزاء پر جھکی ہوئی ہے۔ وہ جب کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی آیت سے گزرتے ہیں جس میں جنت کا ذکر ہوتا ہے تو اس کے اشتیاق میں ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور جب کوئی ایسی آیت آتی ہے جس میں جہنم کا ذکر ہوتا ہے تو ایسے دہاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں گویا جہنم کی چنگھاڑ انہیں سنائی دے رہی ہے۔" (۸)

خوارج کے قرآن سے اتنے گہرے تعلق کے باوجود ان کی فکر کو اعتبار حاصل نہ ہو سکا' ان کا شمار فرقِ ضالّہ میں کیا گیا اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ کی اس پیشین گوئی کا مصداق انہی کو قرار دیا:

((يَخْرُجُ فِيكُمْ قَوْمٌ تَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَكُمْ مَعَ صِيَامِهِمْ وَعَمَلَكُمْ مَعَ عَمَلِهِمْ وَيَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ ' يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ)) (۹)

"تم میں کچھ لوگ ایسے ظاہر ہوں گے جن کی نمازوں' روزوں اور دیگر اعمال کو دیکھ کر تمہیں اپنی نمازیں' روزے اور دیگر اعمال حقیر معلوم ہونے لگیں گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے' لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے اس طرح باہر نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے باہر نکل جاتا ہے۔"

ب) ماضی قریب کی مثال: اہلِ قرآن

بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں مخصوص ذہنیت رکھنے والے کچھ ایسے افراد سامنے آئے جنھوں نے قرآن سے اپنی وابستگی اور گہرے تعلق کا اظہار کیا' قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے کتابیں تصنیف کیں' رسائل جاری کیے' دروسِ قرآن کی مجلسیں آراستہ کیں اور تفسیریں لکھیں' لیکن انہوں نے آیاتِ قرآنی کی من مانی' دُوراز کار اور غلط تاویلات کے ذریعے ایک ایسے 'اسلام' کا ڈھانچہ تیار کیا جس کے خدوخال حقیقی اسلام سے یکسر مختلف تھے۔

اس طائفہ کے سرخیل چودھری غلام احمد پرویز (م ۱۹۸۵ء) رہے ہیں۔ انہوں نے قرآنیات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں' جن میں مفہوم القرآن' معارف القرآن' تبویب القرآن اور لغات القرآن (۴ جلدیں) مشہور ہوئیں۔ انہوں نے اپنے ہم فکر اصحاب کے ساتھ مل کر ایک جمعیت بنائی جو 'بزمِ اہلِ قرآن' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اپنے افکار و نظریات کی اشاعت کے لیے 'طلوعِ اسلام' کے نام سے ایک ماہ نامہ جاری کیا۔ اسی گروہ کے ایک فرد مولوی احمد الدین امرتسری ہیں' انہوں نے اپنے افکار و خیالات کی اشاعت کے لیے 'البیان' نامی ایک ماہ نامہ جاری کیا اور 'اُمتِ مسلمہ' کے نام سے اپنے ہم فکر اصحاب کا ایک حلقہ تشکیل دیا۔

ان حضرات نے اس بات پر زور دیا کہ قرآن مکمل ہے' اس لیے اس کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں' یہاں تک کہ حدیث کی بھی نہیں۔ ان کے نزدیک پیغمبر کی حیثیت عام انسانوں کے مثل ہے' جس کی ذمہ داری بس یہ تھی کہ وہ اللہ کا کلام دوسرے انسانوں تک پہنچا دے' ورنہ اس کا فہم دوسرے انسانوں سے بڑھ کر نہیں' اس لیے وہ واجب الاتباع بھی نہیں ہے۔ اس کی اطاعت کے جو احکام قرآن میں مذکور ہیں وہ 'مرکز ملت' کی حیثیت سے ہیں نہ کہ رسول کی حیثیت سے۔ انہوں نے اسلام کا ایک ایسا لبرل تصور پیش کیا جس کے عقائد تمام مذاہب

کے ماننے والوں کے نزدیک تسلیم شدہ ہوں' جس کا نظامِ عبادات اتنا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ ان کی ادائیگی کسی پر بار نہ ہو۔ان کے نزدیک نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ مستقل ارکانِ اسلام نہیں' بلکہ احوال وظروف کے مطابق ان میں تغیر و تبدل ہوسکتا ہے۔ان گمراہ کن خیالات کی تائید میں انہوں نے قرآنی آیات پیش کیں اور الفاظِ قرآنی سے کھلواڑ کرتے ہوئے انہیں حسبِ منشا معانی کا جامہ پہنایا۔اس طرح قرآن کے نام پر اٹھنے والی اس تحریک نے حقیقی اسلام کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔(۱۰)

موجودہ دور میں رجوع الی القرآن کی کوششوں پر ایک اجمالی نظر

موجودہ دور میں اگرچہ مسلمانوں میں ایک معتد بہ تعداد ایسے لوگوں کی پائی جاتی ہے اور بعض دینی جماعتیں بھی ایسی موجود ہیں جن کی باتیں عام لوگوں کو قرآن سے قریب کرنے کے بجائے دور کرنے والی ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ عام مسلمانوں کے لیے قرآن کی محض تلاوت کر لینا کافی ہے' اسے سمجھنا ان کے بس کی بات نہیں۔اس لیے وہ دینی احکام وتعلیمات سے آگاہی کے لیے قرآن سے رجوع کرنے کے بجائے دوسری کتابوں اور علماء سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔لیکن مقامِ شکر ہے کہ انہی کے پہلو بہ پہلو اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے ایسی شخصیات بھی ظاہر ہوئی ہیں جنھوں نے اُمت کو قرآن کریم سے جوڑنے' اس کے اندر قرآنی فکر کو عام کرنے اور معاملاتِ زندگی اور اُمورِ دنیا میں اسے ہادی ورہنما بنانے پر آمادہ کرنے کی بھرپور کوششیں کیں۔اس کے لیے انہوں نے مختلف زبانوں میں قرآن کی تفسیریں لکھیں' قرآنی تعلیمات واحکام کو عام فہم انداز میں پیش کرنے کے لیے کتابیں تصنیف کیں' قرآن کے خلاف اٹھائے جانے والے شکوک وشبہات اور اعتراضات کے جوابات دیے' قرآن وسنت کو بنیاد بنا کر اسلامی عقائد وشعائر اور احکام کی توضیحات وتشریحات کیں' دروسِ قرآن کے حلقے قائم کیے۔اس طرح قرآن سے مسلم عوام اور خواص دونوں کا گہرا ربط وتعلق پیدا کرنے کی کوشش کی۔اس موقع پر بھی چند نمایاں شخصیات کا خصوصی تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

موجودہ دور کی جن شخصیات نے اپنی فکر اور عمل میں قرآن کو مرکزی مقام دیا ان میں سرفہرست مولانا حمید الدین فراہیؒ (م ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء) کا نام گرامی آتا ہے۔قرآن سے متعلق ان کی خدمات کی متنوع جہات ہیں۔اولاً انہوں نے اُمت کو قرآن سے جوڑنے کی کوشش کی۔ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی پستی' ذلّت ونکبت اور انتشار وافتراق کی بنیادی وجہ ان کی قرآن سے دُوری اور اس سے تعلق میں کمزوری ہے' اور اس کا ازالہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب انہیں اس کا صحیح فہم حاصل ہو اور وہ اپنے تمام معاملات کی تنظیم اسی کی روشنی میں کریں۔ثانیاً انہوں نے قرآن کریم کو تمام علوم کا محور اور اساس قرار دیا اور اس کی روشنی میں ان کی تشکیل جدید کا عظیم منصوبہ تیار کیا۔ثالثاً انہوں نے مروّجہ نظامِ تعلیم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور اس کے لیے ایسی پالیسی وضع کی جس میں قرآن کو اصل کا مقام دیا جائے اور دیگر علوم اس کے گرد گردش کریں۔اس کے لیے انہوں نے مدرسۃ الاصلاح کو میدانِ عمل بنایا اور اپنی زندگی کے آخری دس گیارہ سال وہاں رہ کر اپنے تیار کردہ خاکے میں رنگ بھرتے رہے۔(۱۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے بعد ان کے شاگردوں' بالخصوص مولانا امین احسن اصلاحیؒ (م ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء) نے ان کے ناتمام کاموں کی تکمیل کی اور ان کے افکار وافادات کی روشنی میں قرآن کی تفسیر لکھی جو 'تدبر قرآن' کے نام سے بے شمار لوگوں کا مرجع بنی ہوئی ہے۔ نیز مدرسۃ الاصلاح کے فارغین نے 'فکرِ فراہی' کی مشعل بلند کر رکھی ہے اور دنیا کے مختلف خطوں میں قرآن کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ ادارۂ علوم القرآن' جس کے زیر اہتمام یہ سیمینار منعقد ہو رہا ہے' بھی وابستگانِ مکتب فراہی کا ایک باوقار ادارہ ہے جو ربع صدی سے علوم قرآنی کی اشاعت کی قابل قدر خدمت انجام دے رہا ہے۔ (۱۲)

قرآنی فکر کو عام کرنے اور اُمت کا قرآن سے ربط وتعلق مضبوط کرنے کے سلسلہ میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ (م ۱۹۷۹ء) کی خدمات بھی زرّیں حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ ان کی شہرۂ آفاق تفسیر 'تفہیم القرآن' ایک انقلابی تفسیر ہے جو قاری کو حرکت وعمل پر آمادہ کر دیتی ہے۔ بلا مبالغہ اس نے لاکھوں انسانوں کی زندگیاں بدل دی ہے اور ان کو قرآن سے جوڑ دیا ہے۔ ان کی برپا کردہ تحریک جماعت اسلامی نے لوگوں میں قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کا رجحان پیدا کیا ہے۔ اس کے متعدد وابستگان کو قرآن کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہے۔ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ (م ۱۹۹۸ء) نے تیسیر القرآن کے نام سے تفسیر لکھی ہے (جو سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی تفسیر پر مشتمل ہے) اس کے علاوہ مولانا مودودیؒ کی تفہیم القرآن کی تلخیص کی بھی خدمت انجام دی ہے۔ مولانا شمس پیرزادہؒ نے دعوۃ القرآن کے نام سے تین جلدوں میں ایک تفسیر لکھی ہے جس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ مولانا محمد فاروق خاں نے قرآن کا اردو میں ترجمہ کرنے کے علاوہ ہندی میں کئی ترجمے کیے ہیں۔ مولانا محمد سلیمان قاسمی نے دروس القرآن کے نام سے سات جلدوں میں ایک عام فہم تفسیر لکھی ہے۔ جماعت اسلامی پاکستان کے رہنماؤں میں قرآنی فکر کو عام کرنے کے حوالے سے ایک قابل ذکر نام انجینئر خرم مراد (م ۱۹۹۶ء) کا ہے۔

رجوع الی القرآن کی دعوت کے سلسلے میں موجودہ دور کی ایک نمایاں شخصیت ڈاکٹر اسرار احمد' پاکستان (۱۹۳۲ء-۲۰۱۰ء) کی ہے۔ انہوں نے اپنے خطبات ومواعظ اور رسائل وتصنیفات کے ذریعہ قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کی طویل جدوجہد کی ہے۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' مجلّہ حکمت قرآن' قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج آپ کی خدمات کے چند عناوین ہیں۔ ترجمۂ قرآن کریم سمر کیمپ' رجوع الی القرآن کورس' دورۂ ترجمۂ قرآن اور دیگر سرگرمیوں کے ذریعے وہ برابر قرآنی تعلیمات کی اشاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ (۱۳)

قرآن کریم سے استفادہ عام کرنے کے معاملے میں دیگر علماء کی بھی قابل قدر خدمات ہیں۔ اس سلسلے میں بیسویں صدی عیسوی میں اردو زبان میں اور دیگر زبانوں میں بھی بہت سی تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ اردو تفسیروں میں مولانا ابوالکلام آزادؒ (م ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) کی تفسیر ترجمان القرآن' مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) کی تفسیر بیان القرآن' مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (م ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء) کی تفسیر عثمانی' مولانا عبدالماجد دریابادیؒ (م ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۷ء) کی تفسیر ماجدی' مولانا مفتی محمد شفیعؒ (م ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) کی تفسیر معارف القرآن' مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (م ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) کی تفسیر ثنائی' پیر کرم شاہ الازہریؒ کی تفسیر ضیاء القرآن

اور مولانا وحید الدین خان (پ ۱۹۲۵ء) کی تفسیر تذکیر القرآن سے بڑے پیمانہ پر استفادہ کیا جا رہا ہے۔[۱۴] جن علماء نے قرآن کی تفسیر تو نہیں لکھی، لیکن ان کی تصنیفات میں قرآنی آیات کے کثرت سے حوالے ملتے ہیں اور ان سے رجوع الی القرآن کی راہ ہموار ہوئی ہے ان میں علامہ سید سلیمان ندویؒ (م ۱۹۵۳ء) اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (م ۱۹۹۹ء) خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔[۱۵]

رجوع الی القرآن کے بعض داعیوں میں فکری انحرافات

یہ بات خوش آئند ہے کہ آج مختلف حلقوں سے رجوع الی القرآن کی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ اس کی عظمت اور مقام و مرتبہ کی یاد دہانی کے ساتھ مسلمانوں پر اس کے حقوق اور اس کے سلسلے میں ان کی ذمہ داریاں یاد دلائی جا رہی ہیں۔ اسے سمجھ کر پڑھنے، اس کی تعلیمات کو زندگیوں میں نافذ کرنے اور ان کے مطابق اپنے معاملات و مسائل حل کرنے پر زور دیا جا رہا ہے۔ اور مسلمانوں میں یہ شعور عام ہو رہا ہے کہ قرآن سے اپنا تعلق مضبوط کر کے اور اسے اپنا ہادی و رہنما بنا کر ہی وہ دنیاوی ترقی اور اُخروی فلاح سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔

اس خوش آئند پہلو کے ساتھ تشویش کے بھی بعض پہلو ہیں۔ وہ یہ کہ رجوع الی القرآن کے بعض داعیوں کے افکار میں بسا اوقات انحرافات کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ وہ جو نتائج تحقیق پیش کرتے ہیں اور اپنی تائید میں قرآن سے جو دلائل لاتے ہیں وہ اسلام کی بنیادی اقدار اور قرآن کی حقیقی تعلیمات سے میل نہیں کھاتے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ جس طرح ماضی بعید و قریب میں قرآن کے نام پر اٹھنے والے فرقے اور تحریکیں گمراہی کا شکار تھیں، ان کے افکار و خیالات قرآن کی حقیقی تعلیمات سے کوسوں دور تھے، اسی طرح موجودہ دور کے منحرفین بھی قرآن کے نام پر جو افکار و خیالات پیش کر رہے ہیں ان کا اسلام سے دور کا بھی علاقہ نہیں ہے۔ منحرفین کی یہ آوازیں اگرچہ ابھی کمزور ہیں، ان کی کوئی مضبوط اجتماعیت بھی نہیں ہے، لیکن اندیشہ ہے کہ اگر ان پر گرفت نہ لگائی گئی تو ان کی لے بڑھتی جائے گی اور ان سے اسلام کو بہت زیادہ نقصان ہوگا۔

منحرفین کا طریقِ واردات

یہ منحرفین کون ہیں؟ ان کے نام کیا ہیں؟ ان کی تعداد کتنی ہے؟ ان کی کوئی فہرست مرتب کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ ان کی جو بھی فہرست مرتّب کی جائے گی وہ نامکمل ہوگی اور متنازعہ بھی۔ اس لیے ان کے ناموں کا ذکر کرنے کے بجائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجمال و اختصار کے ساتھ ان کے افکار سے بحث کی جائے اور واضح کیا جائے کہ ان کا طریقۂ واردات کیا ہے، ان کے استدلال کی نوعیتیں کیا ہیں، اور کس کس طرح وہ بظاہر قرآن کا نام لے کر گمراہی کی سوداگری کر رہے ہیں۔

(۱) ایک آیت سے استدلال، دیگر آیات سے صرفِ نظر

قرآن کا ایک وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ تذکیر و یاد دہانی کے مقصد سے اس میں مضامین کی تکرار پائی جاتی ہے۔ ﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا ﴾ (الزمر: ۲۳) کسی ایک جگہ ایک پہلو سے وضاحت ہوتی ہے تو دیگر مقامات پر دوسرے پہلو زیرِ بحث آتے ہیں۔ تمام مقامات پیش نظر رکھنے سے تمام پہلو کھل کر سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آ جاتے ہیں اور معانی کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ حضرات ایسا نہیں کرتے۔ یہ اپنے مدعا پر کسی ایک آیت سے استدلال کرتے ہیں اور دوسری متعلقہ آیات سے صرفِ نظر کر جاتے ہیں۔ اس طرح وہ بسا اوقات کوئی ایسی بات ثابت کرنے کی جی توڑ کوشش کرتے ہیں جو قرآن کی پوری دعوت پر خطِ نسخ کھینچ دیتی ہے۔ اس موقع پر صرف ایک مثال پیش خدمت ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ ﴾

''یقین جانو کہ (نبی عربی کو) ماننے والے ہوں یا یہودی' عیسائی ہوں یا صابی' جو بھی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے' اور ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔''

یہی مضمون سورۃ المائدۃ' آیت ۶۹ میں بھی مذکور ہے۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض حضرات کہتے ہیں کہ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے لیے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں' وہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں تو یہ ان کی نجات کے لیے کافی ہے' اس لیے کہ اس آیت میں نجات کے لیے ایمان بالرسالۃ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔(۱۶)

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ایمانیات کی کوئی فہرست نہیں پیش کی گئی ہے۔ سورۃ البقرۃ اور سورۃ المائدۃ دونوں جگہ یہود سے خطاب کے ضمن میں یہ آیت آئی ہے' اس سے ان کے اس زعمِ باطل کی تردید مقصود ہے کہ نجات پر ان کی اجارہ داری ہے۔ سورۃ البقرۃ میں مولانا امین احسن اصلاحی نے بہت اچھی طرح اس آیت سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''اس زمانہ کے بعض متکلمین اور منکرینِ سنت اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو اہل کتاب اپنے اپنے صحیفوں کی تعلیمات پر نیک نیتی کے ساتھ عمل کر رہے ہیں' قرآن مجید ان کی نجات کے لیے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں ٹھہراتا۔''

آگے انہوں نے متعدد نکات کی شکل میں اس کا رد کیا ہے:

''ایک یہ کہ یہ آیت اس سورہ میں وارد ہے جس کا عمود ہی رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید پر ایمان لانے کی دعوت ہے۔ دوسرے یہ کہ سورۃ المائدۃ میں جہاں یہ آیت ہے اس سے متصلاً اوپر کی آیت میں قرآن مجید پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید میں اس بات کی تصریح ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت کے بعد سے اہلِ کتاب میں سے خدا کی رحمت میں سے وہی اہلِ کتاب حصہ پائیں گے جو آں حضرت ﷺ پر ایمان لائیں گے۔ چوتھی یہ کہ قرآن مجید میں اس بات کی بھی تصریح ہے کہ آں حضرت ﷺ کی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کے لیے ہوئی ہے اور آپ ﷺ نے تمام خلق کو عموماً اور اہل کتاب کو خصوصاً اپنی نبوت پر ایمان لانے کی نہایت غیر مبہم الفاظ میں دعوت بھی دی ہے۔''

آخر میں خلاصہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نجات کے لیے جس طرح دوسروں کے لیے نبی ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اہل کتاب کے لیے بھی ضروری ہے... اس معاملے میں قرآن مجید نے اچھے اہل کتاب اور بُرے اہل کتاب میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ جہاں تک نجات کا تعلق ہے دونوں ہی قسم کے اہل کتاب کی نجات کے لیے آں حضرت ﷺ اور قرآن مجید پر ایمان لانا ضروری ہے...... آں حضرت ﷺ کی بعثت کے بعد دنیا کے لیے صراط مستقیم پانے اور نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ اگر کوئی ہے تو یہی ہے کہ آں حضرت ﷺ پر ایمان لایا جائے اور آپؐ کی پیروی کی جائے۔ اس کے سوا نجات حاصل کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔" (۱۷)

(۲) الفاظِ قرآنی کی بے جا تاویل

آیاتِ قرآنی سے حسبِ خواہش معانی کے استنباط و استخراج کے لیے یہ حضرات قرآنی الفاظ و اصطلاحات کی من مانی اور بے جا تاویلیں کرتے ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں حقیقت کو مجاز سے اور انشاء کو خبر سے بدل دیتے ہیں۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ سیاق و سباق سے ان کے مستنبط معانی کی تائید ہوتی ہے یا نہیں؟ ان کے 'مراد لینے' کا دائرہ اتنا وسیع ہوتا ہے کہ جس لفظ سے جو چاہیں مراد لے لیں' خواہ عربی زبان و لغت' کلامِ عرب اور قرآنی استقراء سے اس کی تائید ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(ا) قرآن کریم میں دو مقامات پر نبی کریم ﷺ کی ایک صفت 'اُمّی' آئی ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ﴾ (الاعراف:۱۵۷)

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ﴾ (الاعراف: ۱۵۸)

'اُمّی' مدرسی و کتابی تعلیم و تعلّم سے ناآشنا کو کہتے ہیں۔ (۱۸)

بعض حضرات اس معنی میں اس صفت کو نبی ﷺ کے لیے عار سمجھتے ہیں' چنانچہ وہ اس کی تاویل کرتے ہیں اور مختلف حوالوں سے آں حضرت ﷺ کو پڑھا لکھا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (۱۹) حالانکہ حضور ﷺ کے پڑھنا لکھنا نہ جاننے کی صراحت قرآن میں موجود ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۴۸﴾ (العنکبوت)

"(اے نبیؐ) اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔"

شہید مرتضٰی مطہری نے اس نقطۂ نظر کے رد میں بڑی عمدہ تحقیقی بحث کی ہے۔ (۲۰)

(ب) یہود کے جرائم میں ان کا ایک جرم قرآن نے 'قتلِ انبیاء' بھی بیان کیا ہے:

﴿فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝۸۷﴾ (البقرۃ)

﴿قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ﴾ (البقرۃ:۹۱)

بعض حضرات یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں مخالفت اور لڑائی کرنا' یہاں جان سے مار دینے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معنی مراد نہیں ہے۔ اس کی دلیل میں وہ اس قسم کی آیتیں پیش کرتے ہیں۔

﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۲۱﴾ (المجادلة)

''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہو کر رہیں گے‘ فی الواقع اللہ زبردست اور زور آور ہے۔''

وہ کہتے ہیں کہ ''اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ مغلوب ہو سکتا ہے تو اس کے رسول بھی مغلوب ہو سکتے ہیں‘ اور اگر اللہ تعالیٰ مقتول ہو سکتا ہے تو اس کے رسول بھی مقتول ہو سکتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ مغلوب و مقتول نہیں ہو سکتا اس لیے اس کے رسول بھی ہرگز مغلوب و مقتول نہیں ہو سکتے''۔(۲۱)

یہود کے جرم 'قتلِ انبیاء' پر خود ان کی تاریخ شاہد ہے۔ بائبل کے متعدد بیانات میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اس بنا پر اس قرآنی بیان کی تاویل کرنا درحقیقت اسے اس کے حقیقی معنی سے پھیرنا ہے۔☆

(ج) سورۃ التکویر کی ابتدائی آیات میں وقوعِ قیامت سے قبل اور بعد کے ہولناک احوال بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں ایک آیت ہے: ﴿وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷﴾ اس کا مطلب ہے کہ قیامت میں لوگوں کے (عقائد و اعمال کے لحاظ سے) الگ الگ گروہ بنا دیے جائیں گے [اسی کو سورۃ الواقعۃ میں ﴿وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝۷﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے] اس کے آگے ایک اور آیت ہے ﴿وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰﴾ صحف سے مراد لوگوں کے نامۂ اعمال ہیں اور ان کے کھولے جانے سے مقصود یہ ہے کہ ہر ایک کا سارا کچّا چٹھا اس کے سامنے آ جائے گا۔ آگے فرمایا: ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝۱۴﴾ (یعنی ہر جان یہ جان لے گی کہ آج کے دن کے لیے اُس نے کیا کیا ہے)۔(۲۲)

لیکن بعض حضرات سیاق و سباق سے آزاد ہو کر ان آیات میں سائبر اسپیس (Cyber Space) کا اشارہ پاتے ہیں۔ ان کے نزدیک ''وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ'' سے مراد موجودہ دور کا وہ virtual world ہے جہاں کروڑ ہا کروڑ نفوس ایک دوسرے سے بحث و مباحثہ اور باہمی استفادے میں مشغول ہیں اور ''وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ'' کا مطلب ہے ''جب صحیفوں کی نشر و اشاعت کی کثرت ہو گی''۔ ان کے نزدیک آج ''اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ'' کا غلغلہ ہر طرف بلند ہے۔ واشنگٹن کے پُرآسائش سوٹ میں بیٹھنے والا انسان ہو یا افغانستان کے نامعلوم پہاڑی سلسلوں میں بسنے والا انسان‘ انٹرنیٹ کی دنیا میں دونوں برابر کے شریک ہیں''۔(۲۳)

یہ ایک نکتہ تو ہو سکتا ہے لیکن قرآن کا سیاق و سباق اسے قبول کرنے سے اِبا کرتا ہے۔ اس مفہوم کو قرآن کے ساتھ کھلواڑ ہی کہا جا سکتا ہے۔

(۳) نئی بات کہنے کا خبط

بعض حضرات کی نادر قرآنی تحقیقات پڑھ کر دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ شاید انہیں کوئی نئی بات کہنے کا خبط ہو گیا ہے۔ وہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ آیاتِ قرآنی کے حوالے سے کوئی ایسا نکتہ پیدا کر دیں یا کوئی ایسی بات کہہ دیں جو آج تک کسی نے نہ کہی ہو‘ تاکہ ان کا شمار بھی نکتہ رس اور نکتہ داں محققین میں ہونے

☆ ان حضرات کی غلط تاویلات کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ یہ رسول اور نبی میں فرق نہیں کرتے۔ (حکمت قرآن)

لگے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(ا) ہم سب جانتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے پوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری کے ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی دی کہ حضرت اسحاقؑ سے حضرت یعقوبؑ پیدا ہوں گے۔ اسے بھی حضرت اسحاقؑ کے 'عدم ذبح' ہونے کی ایک دلیل شمار کیا گیا ہے۔ (٢٤)

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کا تذکرہ ایک ساتھ ہوا ہے۔ مثلاً:

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ﴾ (الانعام:٨٤، مریم:٤٩)

﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝﴾ (ھود)

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ﴾ (الانبیاء:٧٢)

قرآن کے اس اندازِ بیان سے بعض حضرات نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ ''حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے نہیں بلکہ بیٹے ہیں' کیونکہ قرآن حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ دونوں کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کیے جانے کا تذکرہ کرتا ہے''۔ (٢٥)

ان حضرات کو شاید نہیں معلوم کہ عربی زبان میں' اور عربی ہی کیا دنیا کی ہر زبان میں' پوتے کی نسبت دادا کی طرف کر دینے کا اسلوب رائج ہے۔ کتبِ سیرت وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ حنین (٩ھ) کے موقع پر جب مسلم فوج میں بھگدڑ مچ گئی تھی' اللہ کے رسول ﷺ نے ((اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ)) کا نعرہ لگایا تھا۔ (٢٦)

اور ایک موقع پر اپنے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا:

((اِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ)) (٢٧)

''میرا یہ بیٹا سردار ہے' امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کروائے گا''

عربی زبان میں 'اَبٌ' کے معنی باپ کے ہیں' لیکن جب اس کی تثنیہ (اَبَوَانِ) یا (آبَاء) استعمال ہوتی ہے تو باپ کے ساتھ دادا' پردادا وغیرہ بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں' جیسا کہ درج ذیل آیات میں ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام سے یوں خطاب کیا تھا:

﴿وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ﴾ (یوسف:٦)

اسی طرح انہوں نے اپنی وفات کے وقت جب اپنے بیٹوں سے دریافت کیا تھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا:

﴿نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ﴾ (البقرة:١٣٣)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

﴿اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ کٰفِرُوْنَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ﴾ (یوسف: ۳۷-۳۸)

(ب) رسول اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی کل تعداد گیارہ بتائی جاتی ہے‘ ان میں سے نو آپ کی وفات کے وقت موجود تھیں۔ لیکن بعض حضرات نے یہ تحقیق پیش کی ہے کہ ’’زیادہ سے زیادہ چار نکاح کرنے کا جو حکم قرآن میں عام مسلمانوں کے لیے ہے وہی رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی تھا۔ چنانچہ آپؐ کے نکاح میں کبھی چار سے زیادہ خواتین نہیں رہی ہیں‘‘۔ یہ حضرات ازواجِ مطہرات کی تعداد چار سے زائد بتانے والی روایات کو منافقین و مخالفین کی تراشیدہ قرار دیتے ہیں۔ (۲۸)

حالانکہ تعددِ ازواج کے عام حکم سے رسول اللہ ﷺ کے مستثنیٰ ہونے کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ سورۃ النساء‘ جس میں مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی گئی ہے‘ ۴ھ میں نازل ہوئی تھی۔ اُس وقت آں حضرت ﷺ کے گھر میں بھی چار ازواجِ مطہرات (حضرت سودہ‘ حضرت عائشہ‘ حضرت حفصہ اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہن) تھیں۔ (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا) لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا۔ چنانچہ آپؐ نے جب پانچویں خاتون (حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا تو اس موقع پر قرآن نے صراحت کر دی کہ تعددِ ازواج کی مذکورہ تحدید سے آپ ﷺ مستثنیٰ ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْکَ وَبَنٰتِ عَمِّکَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَبَنٰتِ خَالِکَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِکَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَکَ ز وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْکِحَهَا ق خَالِصَةً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ط قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ لِکَیْلَا یَکُوْنَ عَلَیْکَ حَرَجٌ ط وَکَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝﴾ (الاحزاب)

’’اے نبی! ہم نے تمہارے لیے حلال کر دیں تمہاری وہ بیویاں جن کے مہر تم نے ادا کیے ہیں‘ اور وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے تمہاری ملکیت میں آئیں‘ اور تمہاری وہ چچا زاد‘ پھوپھی زاد‘ ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے‘ اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کیا ہو‘ اگر نبی اسے نکاح میں لینا چاہے۔ یہ رعایت خالصۃً تمہارے لیے ہے‘ دوسرے مومنوں کے لیے نہیں ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ عام مومنوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں ہم نے کیا حدود عائد کیے ہیں (تمہیں ان حدود سے ہم نے اس لیے مستثنیٰ کیا ہے) تاکہ تمہارے اوپر کوئی تنگی نہ رہے‘ اور اللہ غفور و رحیم ہے۔‘‘ (۲۹)

(۴) احادیث کا انکار و استخفاف

دین کی دو بنیادیں ہیں: ایک قرآن اور دوسری سنت۔ رسول اللہ ﷺ کا فریضۂ منصبی جہاں یہ تھا کہ لوگوں

تک قرآن پہنچائیں وہیں آپؐ کی ذمہ داری یہ بھی تھی کہ اس کی تبیین وتشریح فرمائیں:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ﴾ (النحل:٤٤)

''اور ہم نے یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح وتوضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اتاری گئی ہے۔''

سنت کا علم احادیث سے ہوتا ہے۔ محدثین کرامؒ نے احادیث کی حفاظت میں غیر معمولی جدّ وجہد کی ہے اور صحیح احادیث کو ضعیف اور موضوع روایات سے الگ کر دیا ہے۔ دین کی تعبیر وتشریح میں قرآن اور حدیث دونوں سے استفادہ ضروری ہے' مگر ان کے معاملے میں افراط وتفریط کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ جہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو عام لوگوں کو قرآن سے براہ راست فیض اٹھانے سے روکتے ہیں اور ان کے درمیان ضعیف و موضوع روایات اور بزرگوں کے کشف وکرامات کے جھوٹے سچے قصوں کو رواج دیتے ہیں' وہیں کچھ ایسے حضرات بھی ہیں جو فہم دین کے معاملے میں صرف قرآن کو بنیاد بناتے اور احادیث سے مطلق اعراض کرتے ہیں۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رویہ کا مظاہرہ عہدِ نبویؐ ہی میں ہونے لگا تھا۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کے درمیان مال تقسیم کیا۔ ایک شخص نے (جسے آپؐ نے کچھ نہیں دیا تھا یا کم دیا تھا) کہا: اے اللہ کے رسولؐ' اللہ سے ڈریے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور کون ہوگا؟'' (دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے کہا تھا: اے اللہ کے رسول' انصاف سے کام لیجیے۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟ میں انصاف نہیں کروں گا تو بڑے خسارے میں رہوں گا!) اس کی اس حرکت پر بعض صحابہ ؓ طیش میں آ گئے' مگر آپ ﷺ نے انہیں ٹھنڈا کیا اور فرمایا:

((اِنَّهٗ یَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِیْ هٰذَا قَوْمٌ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰهِ رَطْبًا لَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ' یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ)) (٣٠)

''اس شخص کی طرح سوچنے والے کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جن کی زبانیں کتاب اللہ کی تلاوت سے تر رہیں گی' لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گی۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔''

اس حدیث کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ اطاعتِ رسولؐ سے انکار کا رویہ دیکھ کر آپؐ نے ان لوگوں کی پیشین گوئی کی تھی جن کی زبانیں تو آیاتِ قرآنی سے تر رہیں گی' لیکن احادیثِ رسولؐ کے انکار کی وجہ سے وہ بے دینی کی باتیں کریں گے۔ صحابہ کرام ؓ نے اپنے دور میں اس کا مصداق خوارج کو قرار دیا تھا جو قرآن سے اپنے گہرے تعلق کا اظہار' لیکن احادیثِ نبویؐ کا انکار کرتے تھے۔ یہی بات موجودہ دور کے بعض داعیانِ قرآن پر بھی صادق آتی ہے۔ وہ قرآن کی عظمت کا دم بھرتے ہیں' اسے مسلمانوں کی ترقی اور اصلاح کی بنیاد قرار دے کر انہیں اس کی طرف رجوع ہونے کی دعوت دیتے ہیں' اس میں انسانیت کی موجودہ مشکلات کا حل بتاتے ہیں' لیکن احادیثِ نبویؐ کے بارے میں ان کا رویہ صحیح نہیں ہے۔ ان میں سے بعض حضرات احادیث کو مانتے اور ان سے استدلال کرتے ہیں' لیکن عملاً ان کا رویہ منکرین جیسا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ قرآن سے کسی مفہوم کا استنباط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں اور اپنے اخذ کردہ مفہوم کو نصِ قرآن کا درجہ دے دیتے ہیں۔ پھر اگر کچھ احادیث اس مفہوم سے ٹکراتی ہیں تو انہیں نصِ قرآن سے متعارض کہہ کر رد کر دیتے ہیں اور یہ سوچنے کی زحمت نہیں کرتے کہ ممکن ہے ان کا استنباط غلط ہو اور صحیح مفہوم وہ ہو جو احادیث کی روشنی میں واضح ہو رہا ہے۔ بعض حضرات احادیث کی حجیت ہی سے انکار کرتے ہیں' ان کے نزدیک احادیث کی حیثیت محض' تاریخی سرمایہ' کی ہے جس پر دین کی تعبیر و تشریح کے معاملے میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ بعض حضرات اس سے آگے بڑھ کر پورے ذخیرۂ احادیث کو قرآن کے لیے 'حجاب' قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے قرآن کی حقیقی تعلیمات مستور ہو گئی ہیں۔

(۵) قرآن میں صریح حکم کی تلاش

احادیث کے انکار یا اعراض کے نتیجے میں یہ حضرات ہر مسئلہ میں قرآن میں اس کے صریح حکم کے متلاشی رہتے ہیں۔ اگر صریح الفاظ میں کوئی ممانعت نہیں پاتے' یا ان کی سمجھ میں نہیں آتا تو بے خطر اس کے جواز کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔ بعض مثالیں درج ذیل ہیں:

(ا) کیا ایک مسلمان لڑکی کسی ہندو لڑکے سے شادی کر سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب بعض حضرات کی طرف سے یہ دیا گیا ہے:

> ''ایک مسلمان لڑکی کے ایک غیر مسلم لڑکے سے شادی کرنے کا براہ راست ذکر' سوائے مشرک مردوں کے' قرآن مجید میں مثبت یا منفی' کسی پہلو سے موجود نہیں ہے۔ یعنی اسلامی شریعت میں یہ واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا کہ ان کی شادی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ لہٰذا ... غیر مسلم کے ساتھ شادی کو ممنوع یا حرام قرار نہیں دیا جا سکتا'' (۳۲)

ان حضرات کو قرآن میں واضح حکم نہیں ملا۔ جب کہ سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۱ میں صراحت کے ساتھ مسلمان مَردوں کے لیے مشرک عورتوں سے اور مسلمانوں عورتوں کے لیے مشرک مردوں سے نکاح ممنوع قرار دیا گیا ہے: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ ... ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾

(ب) کچھ عرصہ قبل ایک واقعہ کے نتیجے میں یہ سوال اٹھا کہ کیا کوئی عورت مردوں اور عورتوں کی مشترکہ جماعت کی امامت کر سکتی ہے؟ بعض حضرات نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور آیت ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳) اور دیگر آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ ''جو شخص بھی علم و تقویٰ میں بڑھا ہوا ہو وہ قرآن کی رو سے اس کا اہل ہے' خواہ وہ مرد ہو یا عورت''۔ (۳۳)

حالانکہ قرآن و حدیث میں مسلمان خواتین کے جو حدود کار متعین کیے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مردوں کی جماعت کی امامت نہیں کر سکتیں' اور یہ ان کی حق تلفی نہیں ہے۔ اسی بنا پر عہد نبوی ﷺ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور تابعین کے درمیان بھی کبھی کسی صحابیہ نے امامت نہیں کی۔

سطور بالا میں منحرفین کے طریق واردات کی صرف چند صورتیں بیان کی گئی ہیں اور ہر ایک کی صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس طرح کی مثالیں بے شمار ہیں حتیٰ کہ ان کے لیے دفتر کے دفتر ناکافی ہیں۔

تدارک کی بعض صورتیں

آیاتِ قرآنی کی تفسیر و تاویل میں اگر درج ذیل امور کو پیشِ نظر رکھا جائے تو انحرافات سے بڑی حد تک بچا جا سکتا ہے:

(۱) قرآن میں کسی جگہ سے ایک آیت لے کر اس سے کوئی ایسا حکم مستنبط نہ کیا جائے جو اس کی دیگر آیتوں سے ٹکراتا ہو‘ بلکہ مجموعی تعلیماتِ قرآنی کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

(۲) کسی آیت سے وہی معنی مستنبط کیا جائے جو سیاق و سباق سے مطابقت رکھتا ہو۔ سیاق و سباق سے کاٹ کر کسی آیت کو نئے معنی پہنانا درست نہیں۔

(۳) الفاظِ قرآنی کے وہی معانی مراد لیے جائیں جو عربی زبان و قواعد اور استعمالات سے مطابقت رکھتے ہوں۔ جہاں تک ممکن ہو ان کے حقیقی معانی مراد لیے جائیں‘ بلاشدید ضرورت مجازی معانی سے احتراز کیا جائے۔

(۴) فہمِ قرآن میں علمائے سلف کی کاوشوں سے استفادہ کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو‘ کوئی ایسی بات کہنے سے اجتناب کیا جائے جو ان کے اجماع کے خلاف ہو۔

(۵) یہ ملحوظ رہے کہ قرآن کا نزول انسانوں کی ہدایت کے لیے ہوا ہے‘ اس لیے اس سے ایسی باتوں کا استنباط نہ کیا جائے کہ وہ جدید سائنس‘ ٹیکنالوجی یا مروّجہ عصری علوم کی کوئی درسی کتاب معلوم ہونے لگے۔

(۶) قرآن سے ایسے معانی کا استنباط نہ کیا جائے جو صحیح احادیث سے ٹکراتے ہوں۔ ضروری ہے کہ کسی حدیث کی جانچ پرکھ محدثانہ اصولوں پر کی جائے‘ محض اس بنا پر اسے رد نہ کر دیا جائے کہ وہ ہمارے استنباطِ قرآن کے خلاف ہے۔ ہمارا استنباط مبنی بر حقیقت بھی ہو سکتا ہے اور تکلّف محض بھی۔ اگر کوئی حدیث ہمارے استنباطِ قرآن کے خلاف ہے تو حدیث کو رد کرنے کے بجائے اپنے استنباط کا بار بار جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

حرفِ آخر

موجودہ دور میں قرآن کی تفسیر و تاویل میں پائے جانے والے انحرافات کا جو جائزہ سطورِ بالا میں لیا گیا ہے اس کا مقصد نہ کسی کی تکفیر و تضلیل ہے نہ دل آزاری‘ بلکہ اس کے ذریعے انحرافات کی بعض صورتوں کی نشان دہی کر کے تدبرِ قرآن کے صحیح منہج کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کسی نے خوارج کے بارے میں دریافت کیا: کیا وہ کافر ہیں؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا: ”انہوں نے تو کفر سے راہِ فرار اختیار کی ہے“۔ اس نے پھر پوچھا: تو کیا وہ منافق ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: ”منافقین اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں‘ جب کہ یہ لوگ تو صبح و شام ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں“۔ پوچھنے والے کا اگلا سوال تھا: پھر یہ لوگ کیا ہیں؟ فرمایا: (انهم قوم أصابتهم فتنة فعموا و صمّوا)(۳۴) ”یہ ایسے لوگ ہیں جو فتنہ میں مبتلا ہیں‘ اس بنا پر اندھے بہرے ہو گئے ہیں“۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کے شرور سے محفوظ رکھے اور صحیح قرآنی فکر کو عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی ومراجع

(۱) صحیح مسلم‘کتاب صلاۃ المسافرین‘باب فضل من یقوم بالقرآن و یعلّمه‘حدیث نمبر:۸۱۷۔

(۲) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی‘ تاریخ دعوت و عزیمت‘ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ‘ جلد دوم‘ طبع ۱۳‘ ۲۰۰۸ء‘ ص ۳۱۵-۳۱۶۔

(۳) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی‘ تاریخ دعوت و عزیمت‘ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ‘ جلد پنجم‘ طبع ۱۳‘ ۲۰۰۸ء‘ ص ۱۴۵-۱۵۰ (بتلخیص)۔

(٤) خوارج کے ذیلی فرقوں میں ازارقہ‘ صُفریہ‘ اباضیہ‘ بیہسیہ‘ نجدات‘ عجاردہ۔ شیعہ کے ذیلی فرقوں میں علویہ‘ امامیہ (اثناعشریہ) زیدیہ‘ اسماعیلیہ (باطنیہ) باقریہ‘ جعفریہ۔ معتزلہ کے ذیلی فرقوں میں واصلیہ‘ ہذیلیہ‘ نظامیہ‘ حائطیہ‘ بشریہ‘ معمریہ‘ مزداریہ‘ ثمامیہ‘ جاحظیہ‘ خیاطیہ‘ جبائیہ‘ ہاشمیہ‘ ان کے علاوہ دیگر فرقوں میں مرجئہ‘ غیلانیہ‘ جہمیہ‘ جبریہ‘ قدریہ‘ نجاریہ‘ کرامیہ‘ صفاتیہ اور مشبّہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان فرقوں کے عقائد ونظریات اور بنیادی افکار کے لیے ملاحظہ کیجیے: الملل والنحل للشہرستانی‘ مکتبہ خیاط بیروت‘ سنہ طبع ندارد‘ الفصل فی الملل والاھواء والنحل‘ ابن حزم الاندلسی‘ برحاشیہ الملل والنحل للشہرستانی‘ اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ‘ دانش گاہ پنجاب لاہور‘ جلد ۱۵‘ مقالہ ’فرقہ‘۔

(٥) معتزلہ‘ شیعہ اور صوفیہ کی ان تفاسیر کے تعارف اور ان میں آیات قرآنی کی دوراز کار تاویلات کی مثالوں کے لیے ملاحظہ کیجیے: غلام احمد حریری‘ تاریخ تفسیر ومفسرین‘ تاج کمپنی دہلی‘ ۱۹۹۴ء۔

(٦) عمر ابوالنصر‘الخوارج فی الاسلام‘مکتبۃ المعارف بیروت‘۱۹۴۹ء‘ص۱۰۲۔

(٧) یولیوس ولہوزن‘ الخوارج والشیعۃ‘ جرمنی سے عربی ترجمہ: عبدالرحمٰن بدوی‘ مکتبۃ النھضۃ المصریۃ‘ مصر‘ ۱۹۵۸ء‘ ص ۲۲۔

(٨) عمرابوالنصر‘ حوالہ سابق‘ ص ۴۳۔

(٩) صحیح البخاری‘کتاب فضائل القرآن‘باب اثم من راءی بقراءۃ القرآن......حدیث :٥٠٥٨۔

(١٠) اہل قرآن کے افکار وخیالات اور ان کی طرف سے آیات قرآنی کی من مانی تاویلات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: افتخار احمد بلخی‘ فتنۂ انکار حدیث کا منظر وپس منظر‘ مکتبہ چراغ راہ کراچی‘ سنہ طبع غیر مذکور‘ ۳ جلدیں۔

(١١) مولانا فراہی کی قرآنی خدمات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے مجموعۂ مقالات فراہی سیمینار بہ عنوان‘ علامہ حمید الدین فراہی۔ حیات وافکار‘ طبع سرائے میر اعظم گڑھ ۱۹۹۲ء‘ بالخصوص خطبہ استقبالیہ از پروفیسر اشتیاق احمد ظلی‘ ص ۷۔۲۰۔ اور مقالہ ’امام فراہی اور علم تفسیر۔ پانچ امتیازی خصوصیات‘ از مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی‘ ص ۹۷-۱۲۳۔

(١٢) ادارۂ علوم القرآن کی خدمات کے تعارف کے لیے ملاحظہ کیجیے مقالہ ’’ادارہ ومجلّہ علوم القرآن اور قرآنی علوم کی اشاعت از پروفیسر ظفرالاسلام اصلاحی‘ شائع شدہ در خصوصی اشاعت ’قرآنی علوم بیسویں صدی میں‘ مجلّہ علوم القرآن‘ جنوری ۲۰۰۴ء- دسمبر ۲۰۰۵ء۔

(١٣) ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی قرآنی خدمات کے لیے ملاحظہ کیجیے: شگفتہ احمد‘ تحقیقی مقالہ بہ عنوان: Dr Israr Ahmad's Political Thoughts and Activities مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور‘ ۱۹۹۶ء‘ نیز ڈاکٹر اسرار احمد کی یہ تصانیف: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر وپس منظر‘ تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر‘ تعارف

تنظیم اسلامی، شائع کردہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور۔

(۱٤) مذکورہ مفسرین اور ان کی تفاسیر کے تعارف اور بیسویں صدی میں قرآنی خدمات کے لیے ملاحظہ کیجیے: ڈاکٹر سید شاہد علی، اردو تفاسیر بیسویں صدی میں، کتابی دنیا، دہلی ۲۰۰۱ء۔

(۱۵) علامہ سید سلیمان ندوی کی قرآنی خدمات کے لیے ملاحظہ کیجیے: مجموعۂ مقالات علامہ سید سلیمان ندوی سیمینار بہ عنوان 'افکارِ سلیمانی' ندوۃ التالیف والترجمۃ، جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ، سنہ طبع غیر مذکور، میں مولانا عبداللہ عباس ندوی، مولانا ضیاء الدین اصلاحی، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی اور راقم سطور کے مقالہ جات اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی خدمات کے لیے ملاحظہ کیجیے راقم سطور کا مقالہ ''مولانا ابوالحسن علی ندوی کی قرآن فہمی' شائع شدہ مجموعہ مقالات سمینار بعنوان 'مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ افکار و آثار' مرتب ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی' الہدایہ اسلامک ریسرچ سینٹر جے پور' ۲۰۰۰ء۔

(١٦) ڈاکٹر محمد احمد' مقالہ 'دین ابراہیمی کا احیاء: نبی آخر کا اولین مشن' شائع شدہ در ماہ نامہ زندگی نو' نئی دہلی' نومبر ۲۰۰۷ء' ص ۱۱-۱۲۔

(۱۷) مولانا امین احسن اصلاحی' تدبر قرآن' تاج کمپنی' دہلی' ۱۹۸۹ء' جلد اول' ص ۲۳۱-۲۳۶' (بتلخیص) پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی نے بھی اپنے اس مضمون میں اس سے بحث کی ہے۔ ملاحظہ کیجیے عصر حاضر میں اسوۂ رسول کی معنویت' فیکلٹی دینیات' مسلم یونیورسٹی علی گڑھ' ۲۰۰۸ء' مقالہ بہ عنوان ''راہ نجات رسول اکرم ﷺ پر نجات ہے''۔ (ص ۱۵۰-۱٦٦)۔

(۱۸) تدبر قرآن' ۲/۵۳۔

(۱۹) راشد شاذ' ادراک زوال اُمت' ملی پبلی کیشنز' نئی دہلی' ۲۰۰۳ء' ص ۱٦۵-۱٦۷' سکندر احمد کمال' ناموس رسول' طبع علی گڑھ' ۲۰۰۲ء' ص ٦۹-۷۳۔

(۲۰) ملاحظہ کیجیے: شہید مرتضیٰ مطہری' النبی الامی' فارسی سے عربی ترجمہ: محمد علی التسخیری' سازمان تبلیغات اسلامی' ایران' ۱۳٦۰ھ۔

(۲۱) مصنف غیر مذکور' ترجمۃ القرآن بتصریف آیات الفرقان' المعروف بہ تفسیر القرآن بالقرآن' ادارہ بلاغ القرآن لاہور' سنہ طبع غیر مذکور' ص ۷۰۔

(۲۲) تدبر قرآن' ۹/۲۲۲۔

(۲۳) راشد شاذ' اسلام مستقبل کی بازیافت' ملی پبلی کیشنز' نئی دہلی' ۲۰۰۵ء' ص ۲۷-۲۸۔ یہ نکتہ اس سے پہلے غلام احمد پرویز پیش کر چکے ہیں' ملاحظہ کیجیے ان کی کتاب مفہوم القرآن۔

(۲٤) ملاحظہ کیجیے مولانا حمید الدین فراہی' ذبیح کون؟ (مترجم: مولانا امین احسن اصلاحی) دائرۂ حمیدیہ' سرائے میر' اعظم گڑھ' ص......

(۲۵) سکندر احمد' ذکرِ انبیاء' طبع علی گڑھ' ۲۰۰۱ء' ص ۳۳-۳٤۔

(۲٦) صحیح البخاری' کتاب المغازی' ۴۳۱۵' ۴۳۱٦ ودیگر مقامات۔ وصحیح مسلم' کتاب الجهاد' ۱۷۷٦۔

(۲۷) صحیح البخاری' کتاب الصلح' باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی ان ابنی هذا سید...... حدیث: ۲۷۰٤۔

(۲۸) ناموسِ رسول ﷺ' حوالہ سابق' ص ۱۳۱-۱٤٤۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲۹) رسول اکرم ﷺ اور تعداد ازواج کے موضوع پر تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے راقم کی کتاب حقائق اسلام - اعتراضات کا جائزہ' مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز' نئی دہلی' بحث ''رسول اکرم ﷺ کی ازواجی زندگی'' ص......

(۳۰) صحیح البخاری' ٣٣٤٤' ٤٣٥١' و دیگر مقامات۔ صحیح مسلم' ١٠٦٤۔

(۳۱) الفصل فی الملل والاھواء والنحل' حوالہ سابق' ص......

(۳۲) www.urdu.understanding-islam.org بحوالہ حافظ محمد زبیر و حافظ طاہر اسلام عسکری' فکر غامدی ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ' مکتبہ خدام القرآن لاہور' ۲۰۰۷ء' ص ۱۱۱۔

(۳۳) اسلام مستقبل کی بازیافت' حوالہ سابق' ص ۹۵-۱۰۱۔

(۳۴) ابن الاثیر الجزری' جامع الاصول من احادیث الرسول' تحقیق عبدالقادر الارناوؤط' رئاسة ادارات البحوث العلمیة والافتاء والدعوة والارشاد' ۱۹۷۲ء' ۷۸/۱۰-۷۹' بحوالہ خطابی۔

☆☆☆

حواشی: ڈاکٹر اسرار احمد - ایک عظیم داعیٔ قرآن

(۱) وحدتِ اُمت' ص ۳۸' از مولانا مفتی محمد شفیع ؒ ' مکتبہ خدام القرآن' ۲۰۰۸ء۔

(۲) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر' ص ۱۱۸' از حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔

(۳) بیان القرآن' ص ۱۲۷۔۱۲۶' از حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔

(۴) دعوت رجوع الی القرآن......' ص ۸' از حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔

(۵) جہاد بالقرآن' ص ۴۔۳' از حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔

(۶) اسلام کی نشاۃِ ثانیہ۔ کرنے کا اصل کام' ص ۲۶' از حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔

(۷) دعوت رجوع الی القرآن......' ص ۱۱۷' از حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔

(۸) مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق' ص ۳۸۔۳۷' از حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔

۞۞۞

تصحیح

گزشتہ شمارے میں جناب احمد جاوید کے مضمون ''ایجاد و ابداعِ عالم...... پر ہونے والی ایک گفتگو'' کے آغاز میں صفحہ 54 پر ڈاکٹر ابصار احمد صاحب کے ادارتی نوٹ میں غلطی سے ایک لفظ ''ذواتِ خلق'' کی جگہ ''ذواتِ حق'' شائع ہو گیا ہے۔ اس تسامح پر ادارہ حکمت قرآن معذرت کا طالب ہے۔ ازراہ کرم ادارتی نوٹ کا دوسرا پیراگراف اس طرح پڑھا جائے:

''جیسا کہ زیر نظر کتابچے کے عنوان سے ظاہر ہے' خالص فلسفیانہ اصطلاح میں اصل مبحث ربط الحادث بالقدیم کا ہے۔ قدیم اور ازلی و ابدی ذات باری تعالیٰ کی ہے جس نے کائنات' اس کی جملہ ذوات اور انسان کو پیدا کیا۔ بالفاظ دیگر' اصل مسئلہ ذاتِ حق اور ذواتِ خلق کے درمیان ربط و تعلق کا ہے۔ ان کے درمیان عینیت اور غیریت دونوں ہی سے مسائل پیدا ہوتے ہیں جو فلسفیانہ ذہن کے لیے خلجان کا باعث بنتے ہیں......''